© rasailojaraid.com

مولانا حمید الدین فراہیؒ کی جائے پیدائش اور ان کی نسبت فراہی

ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی

اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ مولانا فراہی کی جائے پیدائش بھارت صوبہ یوپی (موجودہ اترپردیش) ضلع اعظم گڑھ کا ایک گاؤں پھریہا ہے[۱]۔ البتہ پھریہا کے املا اور تلفظ میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے بلکہ اختلاف کی بجائے تنوع کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔ مختلف لکھنے والوں نے اسے مختلف طریقوں سے لکھا ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔

پھریہا، پھریہہ، پھر یا پھربا، فریہ۔

لیکن اس کا معیاری تلفظ اور املا پھریہا (Phariha) ہی ہے۔ پھریہا ریلوے اسٹیشن پر بھی اردو اور انگریزی میں اس کا نام یوں ہی لکھا ہوا ہے۔ اعظم گڑھ کے پڑھے لکھے لوگ یوں ہی بولتے اور لکھتے ہیں۔ البتہ دیہات کے لوگ اپنے مقامی لہجے میں پھریہاں، یا پھریہیں کہتے سنائی دیتے ہیں جسے ایک نا… بمشکل ہی سمجھ سکتا ہے۔ سرکاری کاغذات میں کس طرح لکھا جاتا رہا ہے معلوم نہیں ہو سکا۔

پھریہا اعظم گڑھ شہر کے مغرب میں کوئی بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کے مشرق … رانی کی سرائے، مغرب میں سرائے میر، شمال میں نظام آباد اور جنوب میں محمد پور کے قصبات ہیں۔ سر… سے اس کا فاصلہ سات میل ہے۔ اس کے حدود اربعہ میں، سو دو سو میل کی دوری پر، بڑے شہر لکھنؤ، بنارس اور الہ آباد ہیں۔ باہر سے جانے والوں کے لئے مین لائن کا قریب ترین ریلوے اسٹیشن شاہ گنج ہے جو ضلع جون پور کا حصہ ہے اور اعظم گڑھ ضلعے کی مغربی سرحد پر واقع ہے۔ شاہ گنج سے چھوٹی لائن … پھول پور، سرائے میر اور پھریہا ہوتی ہوئی اعظم گڑھ جاتی ہے۔ پھریہا خود بھی ریلوے اسٹیشن ہے اور چھوٹی لائن کی تمام گاڑیاں یہاں ٹھہرتی ہیں۔

پھریہا ضلع کا ایک مشہور گاؤں ہے[۲] اپنی آبادی اور رقبے کے اعتبار سے اس کا شمار اس … کے چند بڑے گاؤں میں ہوتا ہے۔ یہ ضلعے کا تیسرا سب سے بڑا گاؤں ہے اس کے کئی محلے ہیں ا… ہزار گھروں اور دس ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔

پھریہا کی معلوم تاریخ بس اس قدر ہے کہ یہ شبلی کا ننھیال اور فراہی کا وطن ہے۔ یہ گاؤں کب سے … اور اسے یہ نام کب دیا گیا؟ اس کا بھی علم نہیں۔ سجاد صاحب سے اس کا ذکر آیا تو انھوں نے برجستہ کہا: یہ معلوم ہے کہ افغانستان میں ایک مقام فرحا ہے۔ وہاں سے پٹھانوں کا ایک خاندان کسی … میں ہجرت کر کے ہندوستان آیا۔ اس خاندان کے کچھ لوگ محمد پور میں آباد ہو گئے کچھ یہاں پھریہا … بس گئے۔ انھوں نے اس بستی کا نام فرحا رکھا جو بعد میں بگڑ کر پھربا اور پھریہا ہوگیا۔ اس بستی … اصل اور قدیم باشندے یہی پٹھان لوگ ہیں۔ انصاریوں کا خاندان (جس سے مولانا فراہی کا تعلق …) بعد میں آکر آباد ہوا[۳]۔

… معلوم ہوتا ہے کہ مولانا فراہی کے خاندان میں پھریہا کی نسبت یہ بات خاصی مشہور تھی کہ اس … کا اصل فرحا ہے۔ ورنہ سجاد صاحب یوں بے ساختہ اس کا اظہار نہ کرتے۔ نیز خاندان کے بزرگ فرحاوی … کی نسبت استعمال نہ کرتے۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانہ میں دیوان ابو تمام کا ایک مطبوعہ نسخہ ہے جس کے سرورق پر … شبلی کے ہاتھ کی یہ تحریر ہے۔ "محمد شبلی نعمانی را دیوان ابو تمام از حمید فرحوی ہدیہ بدست افتاد۔ ۱۲۹۹ھ شبلی نعمانی"[۴]

دار المصنفین کے کتب خانے میں (نمبر ۲۴۔ حدیث) ایک مخطوطہ ہے جس کا نام ہے۔

"رسالہ فتح الغفور فی وضع الایدی علی الصدور للشیخ محمد حیات"

… فراہی کے عم محترم حاجی محمد سلیم صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ کتاب کے آخر میں اور کتاب کے … اندر بھی کئی جگہ یہ اندراج ہے کہ اس کو "محمد سلیم فرحوی" نے لکھا۔ اس کی آخری سطر یوں ہے:

"کتبہ محمد سلیم الفرحوی سنہ ۱۳۰۵ـ"

… میں یہ عبارت ہے:

"بید محمد سلیم فرحوی۔ ۲۱ر ذی الحجہ ۱۳۰۵ سنہ"[۵]

پھریہا کے لوگوں کے ناموں کے ساتھ نسبت فرحوی کا یوں استعمال یہ ظاہر کرتا ہے کہ لوگ … میں اس کو جانتے اور مانتے تھے کہ پھریہا اصل میں فرحا ہے۔ حتیٰ کہ شبلی جیسے باخبر اور صاحبِ … بھی یہی خیال معلوم ہوتا ہے۔ ماضی بعید او ماضی قریب میں لوگوں کا "پھریہا" لکھنا بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ … عام تھا۔ مدرسۃ الاصلاح کی قلمی روداد میں سینکڑوں جگہ یہ نام آیا ہے اور بلا استثناء ہر جگہ پھربا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھا گیا ہے۔ میں نے اپنے حالیہ سفر ہند میں سجاد صاحب سے ایک تحریر لکھوائی تو انھوں

کر کے روانی میں پھریہا کی بجائے یہی "پھر ہا" لکھا[6]۔ پھر ہا صاف فرحا کی شکل ہند ہے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فرحا نام کی کوئی جگہ افغانستان کی تاریخ او[ر] [جغرافیہ میں مو]جود ہے یا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تلاش کے باوجود مجھے ابھی تک یہ لفظ اس شکل میں لکھا ہوا کہیں [نہیں ملا] ... زبانی بہت سے لوگوں نے اس کے ہونے کی شہادت دی ہے۔ البتہ فرح اور فرح آباد کثرت ... بعض حوالے ملاحظہ ہوں[7]:

"اسکندر اعظم .... موجودہ افغانستان سے فرح قندھار اور کابل ... ہوتا ہوا .... الخ[8]"

"فرح افغانستان کا ایک قصبہ ہے[9]"

زمانۂ حال کے ایک مصنف سہراب کیٹرک نے اسے صوبے کی بجائے ڈویژن لکھ[ا ہے]:

"The five major provinces are those of .... while four minor divisions are Jalalabad, Khost [F]arah and Maimena." (10)

ایک انگریز مصنف ٹیٹ نے اس کا ذکر یوں کیا ہے:

"Put Mahmud in Possession of Farah" (11)

یہی مصنف فرح آباد کا ذکر یوں کرتا ہے:

"He then occupied the strong suburb of Farahabad." (12)

ایک انگریز میکمن لکھتا ہے:

"Shah Tahmasp, son of Husain, still maintained him self at Farahabad in Mazanderan." (13)

ایک فارسی تصنیف جامع مفیدی میں ایک جگہ کے نام کی حیثیت سے لفظ فرح ... دو بار آیا ہے[14]۔

میں نے تاریخ و جغرافیے کی بے شمار کتابیں دیکھ ڈالیں لیکن فرحا نہیں ملا۔ اس لئے ... کہ یہی فرح ہے جس کو فرحا کہا گیا یا "فرح آباد کو" جو روانی میں فرحاباد بولا اور کبھی لکھا ... [تخف]یف کر کے فرحا کہا جانے لگا۔ تلفظ میں اس طرح کے تصرفات ہوتے رہتے ہیں۔ اس سے

... ہو گیا کہ جن لوگوں نے افغانستان سے پھریہا کے ڈانڈے ملائے ہیں انھوں نے بالکل ہوا میں تیر نہیں ... [چلا]ئی ہے بلکہ اگر تاریخی طور سے یہ بات غلط بھی ثابت ہو جائے تو بھی کہا جائے گا کہ اس کی ایک اصل ... [مو]جود ہے۔

پھریہا کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ایک نیا اور اچھوتا نقطۂ نظر مقبول احمد اشرفی کی زبانی معلوم ہوا۔ [مق]بول صاحب کو اس خیال سے اتفاق نہیں کہ پھریہا کا کوئی تعلق فرحا سے ہے۔ مقبول صاحب کا تعلق ... [محمد] پور سے ہے۔ محمد پور اور پھریہا دونوں جگہ ان کے سلسلے کے پٹھان آباد ہیں۔ اپنے اسلاف کی نقل مکانی ... [کی] جو سرگذشت انھوں نے بیان کی وہ اس سے مختلف ہے جو فراہی کے خاندان میں مشہور ہے۔ ایک ملاقات [میں] پھریہا اور فراہی کا ذکر آیا تو انھوں نے اپنی دریافت ان الفاظ میں بیان کی۔

"ہمارے آباؤ اجداد غور سے ہندوستان آئے۔ خاندان کے کچھ لوگ محمد پور اور کچھ پھریہا میں آباد ہوئے۔ یہ لوگ پٹھان تھے۔ مولانا فراہی کا خاندان انصاریوں کا تھا۔ یہ لوگ دونہ (THAUNA) سے یہاں آئے۔ پھر ان کی رشتہ داریاں پھریہا میں ہوئیں، اور اس طرح کچھ جائداد ان کو حصے میں ملی، اور کچھ انھوں نے بعد میں خریدی۔ ہمارے مورث اعلیٰ کا نام محمد تھا اور انھیں کے نام پر ہماری بستی کا نام محمد پور پڑا[15]"

[پھ]ریہا کے بارے میں انھوں نے اپنی تحقیق کے نتائج ان الفاظ میں بیان کئے:

"قدیم تاریخی روایات کے مطابق گوتمی راجپوت اور رحمت اللہی دو قومیں سیور غال پرگنہ نظام آباد میں آباد تھیں۔ گوتمی راجپوتوں کی ایک شاخ کا نام "پریہار" تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے نام کے پیچھے اس پرگنے کی ایک بستی کا نام پریہار پڑ گیا ہو جو بعد میں بدل کر یا بگڑ کر پھریہا بن گیا[16]"

اشرفی صاحب کے اہلِ خاندان پھریہا میں آباد ہیں اس لئے پھریہا سے ان کو ایک طرح کا تعلق ہے [پھ]ریہا کے وجہ تسمیہ کی بابت ان کے خیالات کی بنیاد یہ ہے کہ خاندان کے جن لوگوں نے وہاں سکونت [اخت]یار کی وہ غور سے آئے نہ کہ فرحا یا فرح سے، اس لئے فرحا نام رکھنے کی کوئی وجہ نہیں۔ علاوہ ازیں انھیں [تار]یخ میں ایک لفظ پریہار مل گیا جس کو آسانی سے پھریہا کا پیشرو قرار دیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک کہ [خ]اندان کی نقل مکانی کا تعلق ہے ان کا بیان زیادہ اعتبار کے قابل ہے لیکن ان کی دوسری دلیل سرتاسر ... اس پر مبنی ہے اس لئے چنداں درخور اعتنا نہیں ہو سکتی۔ تاریخی طور پر اس کا کوئی ثبوت نہیں ... [پ]ریہار قوم کے لوگوں نے اس گاؤں کو آباد کیا اور اگر انھوں نے آباد کیا تو پھر وہ کہاں چلے گئے۔ کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سپھر یہا کی موجودہ آبادی میں ان کے آثار ونشان کا کوئی سراغ ملتا ہے۔ اعظم گڑھ کی مسلمان آبادیوں نام زیادہ تر مسلم روایات کے آئینہ دار ہیں نہ کہ ہندو اس لئے ہمیں سپھر یہا کی اصل کے بارے میں غیر مسلم روایت کو ماخذ بنانے میں تامل ہے۔ سپھر یہا میں ہندو گھرانے اکا دکا ہیں۔ یہ خالصتاً مسلم بستی ہے۔

سپھر یہا کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ایک اشارہ ہمیں اس واقعہ سے ملتا ہے کہ مولانا فراہی کے خاندان میں پہلے سے موجود ایک نسبت "فرحوی یا فرحاوی" کو چھوڑ کر "فراہی" کی نسبت اختیار کی گئی۔ تو ظاہر ہے کہ یہ نسبت وطنی ہے۔ اس کے خلاف کسی احتمال کا خیال ذہن میں نہیں آتا۔ وطن کے نام کی جتنی بھی صورتیں اب تک سامنے آئیں ہیں ان میں سے کسی کی بھی نسبت عام قاعدے کے مطابق نہیں ہوسکتی۔ یہ بھی معلوم ہے کہ وطن کے موجودہ نام سپھر یہا سے نسبت وضع کرنے کا رجحان اس لکھے خاندان کے لئے قابلِ قبول نہیں تھا اور خاندان کے فہمیدہ لوگوں نے حال کی بجائے ماضی میں اس کا نعم البدل تلاش کرنے کی کوشش کی۔ سجاد صاحب کی نشاندہی پر میں نے فرحا کی تلاش شروع کی۔ فرحا تو نہیں ملا۔ تلاش کے اس دائرے میں ایک لفظ "فراہ" مل گیا جو جگہ کا نام ہے اور جس کی نسبت بغیر کسی دشواری کے سیدھے سیدھے فراہی بن جاتی ہے۔ بحث و نظر کا سلسلہ دراز کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ فراہ کے متعلق کچھ معلومات فراہم کردی جائیں۔ "تاریخ افغانستان بعد از اسلام" میں ۸ - ۱۰ جگہ "فراہ" کا ذکر ہے[۱۷] قاموس جغرافیائی افغانستان جلد اول کے آخر میں ایک جدول ہے اس میں فراہ کا ذکر ایک جگہ کی حیثیت سے آیا ہے۔ اس جدول کی رو سے فراہ کا فاصلہ کابل سے ۸۹۲ کلومیٹر ہے۔ منگولز آف افغانستان کی رو سے فراہ افغانستان میں ایک مقام بھی ہے اور ایک صوبہ بھی۔[۱۸] ٹرواک اصطخری کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"اصطخری حدود غور را چنیں بیان میدارد کہ از ولایت ہرات شروع گردیدہ یا فراہ، بالادہ، داور (بدداور) رباط کاروان غرجستان و دوبارہ بہ ہرات منتہی می شد"۔[۱۹]

لطف کی بات یہ کہ قدماء میں ایک ایسے بزرگ بھی گذرے ہیں جن کے نام کے ساتھ فراہی استعمال ہوتی تھی۔ مسعود بن ابی بکر الفراہی وفات ۶۴۰/ ۱۲۴۲ء کا ذکر قاموس، تراجم اور معجم کی اکثر کتابوں میں ملتا ہے۔[۲۰]

ان بزرگ کے اس نسبتی نام کا ماخذ فراہ کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو مولانا فراہی کے بارے میں بھی کم سے کم مفروضے کے طور پر یہ تسلیم کرلینا چاہئے کہ ان کو فراہ سے

نسبت ہے اور یہ کہ ان کے وطن سپھر یہا کی اصل فرحا نہیں فراہ ہے۔ ہمارا اندازہ ہے کہ جن لوگوں نے فرحا کو سپھر یہا کی اصل سمجھا انھوں نے بھی فراہ ہی کو فرحا کرلیا۔ اس لئے کہ افغانستان میں فرحا نام کی کوئی جگہ تھی ہی نہیں۔ رہا یہ سوال کہ فراہ سے سپھر یہا کیسے بن گیا۔

سو اس کا ایک جواب تو یہ ہے، جو اگرچہ الزامی ہے، کہ جس طرح سپھر یہا سے فراہی بن سکتا ہے بالکل اسی طرح فراہ سے سپھر یہا بھی بن سکتا ہے۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ الفاظ میں حالات کی تبدیلی کی وجہ سے بالخصوص عوامی سطح پر، جو صوتی تغیرات ہوتے ہیں ان کے لحاظ سے یہ بڑی معمولی بات ہے کہ فراہ بدل کر سپھر یہا بن جائے۔ اس لفظ نے منزل بہ منزل یوں سفر کیا ہوگا۔ فراہ، فربا، سپھر با، سپھر یہا، اغلب ہے کہ مولانا فراہی تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہونچے ہوں کہ سپھر یہا میں آباد پٹھان فراہ سے آئے اور انھوں نے اس کا نام فراہ رکھا جو بدل کر سپھر یہا ہوگیا۔ اس لئے انھوں نے فراہی کی نسبت اختیار کی۔

فراہ سے نقل مکانی کی کوئی روایت نہیں لیکن فرحا سے نقل مکانی کی ایک روایت ہے جس کا رخ فرحا کی عدم موجودگی میں، فراہ کی طرف آسانی سے موڑا جاسکتا ہے۔ مقبول اشرفی صاحب نے اپنے بزرگوں کے غور سے آنے کی جس روایت کو فرحا کی روایت کے رد میں بطور دلیل کے پیش کیا ہے ہم اسے فراہ کے حق میں بطور دلیل کے استعمال کرسکتے ہیں۔ اشرفی صاحب کی نظر میں افغانستان کا جغرافیہ نہیں تھا اور یہ بات ان کے علم میں نہ تھی کہ افغانستان میں فراہ نام کی ایک جگہ ہے جو غور سے بہت قریب ہے اور مختلف ادوار میں جغرافیائی حدود میں رد و بدل کے ساتھ ساتھ ان دونوں مقامات کی حیثیتیں اور ان کی نسبتیں بھی بدلتی رہی ہیں۔ کبھی غور کو اہمیت حاصل ہوئی تو فراہ اس کا حصہ قرار پایا اور کبھی فراہ کو اہمیت حاصل ہوئی تو غور اس کا حصہ قرار پایا۔

اس ضمن میں میرا مطالعہ بہت محدود ہے لیکن گذشتہ صفحات میں غوریان اور منگولز آف افغانستان کے حوالے سے غور اور فراہ کے متعلق جو باتیں درج کی گئی ہیں ان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ دونوں مقامات ایک دوسرے کے قریب بھی ہیں اور آپس میں ان کا جغرافیائی اور انتظامی تعلق بھی ہے۔ غور صوبہ ہو اور فراہ اس کا مقام، یا فراہ صوبہ ہو اور غور اس کا ایک مقام۔ اس کے باشندے بیک وقت دونوں کے ساتھ اپنی نسبت ظاہر کرسکتے ہیں۔ ملک، صوبہ، ضلع، شہر اور گاؤں مکانی نسبت کے مختلف دائرے ہیں اور کسی آدمی کا تعلق بیک وقت ان سب سے ہوتا ہے۔ اور ان میں سے جس دائرے کے ساتھ بھی وابستگی ظاہر کی جائے درست ہوگی۔ سپھر یہا کے پٹھان فراہ سے آئے ہوں یا غور سے، اس خاص صورتِ حال کی وجہ سے جس کا ذکر اوپر کیا گیا، وہ غور سے بھی اپنا تعلق ظاہر کرسکتے ہیں اور فراہ سے بھی۔ اس لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقبول اشرفی صاحب کی روایت سے تعارض نہیں ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کے خاندان کے لوگ… سے آئے اور انھوں نے یہاں آکر اپنی بستی کا نام فراہ رکھا جو بعد میں پھریہا ہوگ…

محدود مطالعے اور سرسری معلومات سے میں جو کچھ سمجھ سکا ہوں وہ حرفِ آخر نہیں ہو… آئندہ کوئی شخص مزید تحقیق کرنی چاہے تو یہ باتیں اس کے لئے اشاریہ کا کام دے سکتی ہیں۔

مولانا کی پیدائش ان کے جدی مکان میں ہوئی جو پھریہا گاؤں کی پرانی آبادی کے وسط… مسجد کے قریب واقع تھا۔ یہ مکان اب پیوند زمین ہو چکا ہے۔ ۱۹۷۹ء میں جب میں وہاں گیا… کی جگہ صرف ملبہ رہ گیا تھا۔ باقیات کو دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ یہ پختہ اینٹوں کا بنا ہوا تھا۔ دیوا… پلاسٹر کے آثار نظر نہیں آئے۔ تعمیر کے رقبہ سے اندازہ ہوا کہ یہ ایک بڑا مکان تھا۔۔۔ اب گرد… ہر طرف لوگوں کے مکان ہیں اس لئے احاطے اور اضافی تعمیرات کا پتہ نہیں چلتا لیکن دیار میں را… اور بڑے زمینداروں کے مکان دیکھنے کے بعد قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ مکان بھی اپنے متعلقا… کے ساتھ وسیع وعریض رہا ہوگا۔ جائیداد تقسیم ہوئی تو یہ مکان مولانا کے چچا حاجی سلیم کے حص… گرنے کے بعد ان کی اولاد نے ساتھ ہی نئے طرز کی کوٹھی تعمیر کرلی ہے۔ اور اب وہ گھر جسے مولانا… نادرہ روزگار ہستی کا مسقط الرأس ہونے کا امتیاز حاصل تھا، ویرانے میں تبدیل ہو چکا ہے۔

مولانا فراہی کے والد حاجی عبدالکریم نے پھریہا کے مشرقی جانب جہاں کبھی جنگل او… اپنے لئے نیا مکان تعمیر کیا اور گاؤں چھوڑ کر یہاں آ گئے۔ ان کی زمین اور کھیت وغیرہ بھی زیادہ تر اسی… تھے۔ اس جگہ برادری میں صرف مولانا کا مکان ہے۔ آس پاس کچھ گھر کمیوں اور اسامیوں کے… ہی ایک چھوٹی سی مسجد ہے جو مولانا کے والد ہی کی تعمیر کرائی ہوئی ہے۔ گھر سے تھوڑی دور پر آم[20]… ہے اس کے پاس ہی مولانا کا اپنے صرف سے بنوایا ہوا ایک بنگلہ ہے[21] جو وقت سے پہلے اج… شروع میں یہ جگہ گاؤں سے الگ تھلگ مثل چھاونی کے تھی مگر رفتہ رفتہ پھریہا کی آبادی بھ… کے قریب آ گئی۔ یہ جگہ گاؤں میں بجلیا کے نام سے مشہور ہے[22]۔ مولانا کے گھر کے ساتھ ہی ایک… ہے، یہ باولی بہت پرانی، آبادی سے پہلے کی ہے۔ یہاں پہلے کبھی بجلی گری تھی اس لئے اس ک… یا بجلیا پڑ گیا۔ اور اب یہی نام اس پروا کا ہے جس میں مولانا کا موجودہ گھر ہے۔

(حواشی اگلے صفحہ پر)

حواشی وحوالے

…سلسلے میں اقتباس کی ضرورت اس لئے نہیں ہے کہ راقم کی اپنی جائے پیدائش پھریہا سے صرف …میل دور ہے۔ جہاں اس کی ابتدائی زندگی کے بیس سال بسر ہوئے۔ پاکستان آنے کے بعد بھی …قائم رہا۔ پروجیکٹ تفویض ہونے کے بعد دوبار خاص اسی کام سے ہندوستان گیا اور کچھ …پھریہا میں بھی گزارا۔

…میں اس کی شہرت فراہی کے خاندان کی امتیازی حیثیت کی وجہ سے عام ہوئی۔ لیکن ضلعے کی حد …اس کی شہرت میں مولانا کی علمی شخصیت کا اتنا حصہ نہیں جتنا خاندان کے دوسرے افراد کا ہے۔ علمی …ہمارے جن کا کوئی مقام نہ تھا مگر دنیوی وجاہت میں وہ فائق تھے۔ مدرسۃ الاصلاح جانے سے …کم عمری میں ہم لوگ پھریہا کے شیخ محمد کو تو اچھی طرح جانتے تھے مگر حمید الدین فراہی سے واقف نہ …۔ دیہات میں جہاں شیخ محمد کا نام بہت عزت واحترام سے اور رعب ودبدبہ کے ساتھ لیا جاتا …مولانا کو کوئی جانتا تک نہ تھا۔ شیخ محمد مولانا کے چچا حاجی سلیم کے لڑکے تھے۔ فراہی کے خاندان …علاوہ گاؤں میں کسی اور خاندان کو یہ مرتبہ حاصل نہیں۔

…صاحب سے ملاقات، پھریہا، ۱۰ر مارچ ۱۹۷۹ء۔ فریہا اور محمد پور گویا آپس میں توأم بستیاں …کا باہمی فاصلہ بھی تین میل سے زیادہ نہیں۔

…محمد اجمل اصلاحی کی ڈائری سے ماخوذ ہے جو انھوں نے نقل کر رکھی تھی مجھے خود دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا …نوشتہ پر ۱۲۹۹ھ کی تاریخ ہے جو مطابق ہے ۱۸۸۲ء کے۔ اس نوٹ میں حمید فرحوی سے ظاہر …مولانا فراہی مراد ہیں۔ خود مولانا کے نام کے ساتھ فرحوی کا استعمال یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس وقت …خاندان میں "فراہی" کا استعمال شروع نہیں ہوا تھا۔

…۱۳…ھ اس کا سن کتابت ہے جو مطابق ہے ۱۸۸۶ء کے۔ اس وقت مولانا فراہی کی عمر پچیس برس …کی تھی مگر انھوں نے ابھی فراہی لکھنا شروع نہیں کیا تھا۔

…کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ تحریر میرے پاس محفوظ ہے۔

…کی نسبت فرحا کے مقابلے میں فرح سے زیادہ قریب اور باقاعدہ نظر آتی ہے اور فرح آباد سے …فرح آبادی بنے گی۔

…ان، ص ۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۹۔ اشاریہ پٹھان، ص ۶۹۷۔ میجر سی۔ اے۔ ایٹ نے اپنی کتاب "ناردرن افغانستان" میں کو ایک صوبہ بتایا ہے۔

۱۰۔ تھرو امان اللہ ز افغانستان، ص ۳

۱۱۔ دی کنگڈم آف افغانستان، ص ۱۰۹

۱۲۔ دی کنگڈم آف افغانستان، ص ۴۶

۱۳۔ افغانستان، ص ۵۱

۱۴۔ جامع مفیدی، ص ۱۷۸

۱۵۔ مقبول احمد اشرفی، روایت بالمعنی، ملاقات محمد پور ۱۹ مارچ ۱۹۸۰ء

۱۶۔ سپھر پہا اور پرپہار میں جو ہم آہنگی ہے اس کے باعث اس توجیہہ میں کشش تو ضرور ہے لیکن کی تائید میں نہ کوئی قرینہ ہے نہ کوئی ایسی شہادت جس کی بناء پر اسے تاریخی واقعیت کا درجہ دیا جا اس کی بنیاد تمام تر قیاس پر ہے۔ اشرفی صاحب کی معلومات کا ماخذ ان کے بیان کے مطابق ڈاکٹر چندر کی کتاب "کاشی کا اتہاس" ہے جو ہندی زبان میں ہے۔ مقبول صاحب خود ہندی نہیں انھوں نے کسی سے پڑھوا کر مطالب اخذ کئے۔ یہ کتاب مقبول صاحب کے پاس تھی اور انھوں نے دکھائی بھی مگر جلدی میں وہ حوالہ تلاش نہ کر سکے۔ میں نے ایک روایت کی حیثیت سے اس کو لئے درج کر دیا ہے تاکہ آئندہ کوئی شخص اپنی تحقیق سے تائید یا تردید کر کے حقیقت حال کو واضح

۱۷۔ ملاحظہ ہو تاریخ افغانستان بعد از اسلام، جلد اول، صفحات: ۲۷۴، ۳۱۵، ۵۶۰، ۳۶۷، ۴۵۵، ۵۶۱، ۵۶۳، ۴۸۸۔

۱۸۔ ملاحظہ ہو۔ منگولز آف افغانستان کے آخر میں دیا ہوا نقشہ۔ اس نقشہ میں غور کو فراہ قریب بتایا گیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ فراہ صوبے ہی کا ایک مقام ہو۔ اس کتاب میں کی املا رائے مشدد سے (Farrah) ہے۔ یہ نہیں معلوم کہ یہ انگریزی طرز تحریر کی با ہے یا واقعی اس کا تلفظ یہی ہے۔

۱۹۔ غوریان، ص ۲، اس بیان کی رو سے فراہ حدود غور کے اندر اور قریب واقع تھا لیکن ان حدود بدلتی رہتی ہیں۔

۲۰۔ کچھ تفصیل اور حوالے نام کی بحث میں فراہی کے ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

۲۱۔ ان یادگاروں کا کچھ بیان اپنے مقام پر آئے گا۔

پہلے دن میں سنجر پور سے سپھر پہا کے لئے روانہ ہوا تو راستے میں سپھر پہا کے ایک بزرگ مل گئے میں نے ان سے مولانا کے گھر کا اتا پتا معلوم کیا تو انھوں نے کہا کہ بجلیا پر چلے جایئے۔ مجھے الجھن تو ہوئی مگر میں نے ان سے پوچھا نہیں کہ یہ بجلیا کیا چیز ہے۔ میرے اپنے ذہن نے اس کی توجیہ یہ کی کہ وہاں بجلی کا کوئی ٹرانسمیشن وغیرہ لگا ہو گا۔ اس لئے وہ جگہ بجلی کے نام سے مشہور ہو گئی ہو گی۔ لیکن میں نے سپھر پہا پہنچ کر سجاد صاحب سے دریافت کیا تو انھوں نے اس کی وضاحت اس باولی کے حوالے سے کی جس کا نام بجلی تھا اور جس کے پیچھے اس مختصر آبادی کا نام بجلی یا بجلیا مشہور ہوا۔

علامۃ العصر مولانا حمید الدین فراہی رح کی بعض اہم تصانیف

۱۔ امعان فی اقسام القرآن	۱—۲۵
۲۔ الرائی الصحیح فیمن ہو الذبیح	۱—۱۳
۳۔ العقائد الی عیون العقائد	۱۵—۰۰
۴۔ فی ملکوت اللہ	۳—۵۰
۵۔ مفردات القرآن	۱—۲۵
۶۔ دلائل النظام	۴—۰۰
۷۔ التکمیل فی اصول التاویل	۳—۰۰
۸۔ فاتحہ نظام القرآن	۱—۰۰
۹۔ اسالیب القرآن	۳—۵۰
۱۰۔ جمہرۃ البلاغۃ	۱—۲۷
۱۱۔ تفسیر سورۃ الفیل	۲—۵۰
۱۲۔ تفسیر سورۃ اللہب	۰—۳۸
۱۳۔ تفسیر سورۃ القیامہ	۷—۰۰

ملنے کا پتہ: مکتبہ دائرہ حمیدیہ، مدرستہ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ یوپی (انڈیا)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تبصرہ

تفسیر ماجدی

یہ بڑی مسرت کا مقام ہے کہ مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی کی تحریک پر ادار
کے انگریز (۱۸۹۲ء — ۱۹۷۷ء) مولانا عبدالماجد دریا آبادی
ونشریات اسلامی لکھنؤ نے مولانا عبدالماجد دریا آبادی
وتفسیر قرآن کو شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ اس تصنیف کا سابقہ ایڈیشن جسے
کراچی نے ۱۹۵۷ء میں شائع کیا تھا اول تو ہندوستان میں دستیاب نہیں اور پھر وہ طبا
کی غلطیوں سے پر بھی ہے اور ترجمے کی کلاسیکی Biblical انگریزی بھی بڑی حد تک
ہونے کے باعث گراں گذرتی ہے۔

بحیثیت مترجم ومفسر قرآن مولانا دریا آبادی کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ آپ پہلے
قرآن ہیں جنھوں نے انگریزی میں اہل سنت وجمہور کے نقطۂ نظر کو پیش کیا۔ د ۱۹۴۱ء
دریا آبادی کے اس انگریزی ترجمہ قرآن کے منظر عام پر آنے سے قبل انگریزی میں صرف مح
اور عبداللہ یوسف علی کے تراجم قرآن دستیاب تھے۔ اول الذکر قادیانی مسلک
ہیں اور موخرالذکر کی بعض آرا ربڑی حد تک محلِ نظر ہیں۔ تعدد ازدواج، آخرت، جن
دوزخ اور مسئلہ غلامی جیسے امور کی تعبیر وتشریح میں اپنے فاضل معاصرین عبداللہ یوسف
محمد اسد کے برخلاف مولانا دریا آبادی کے ہاں معذرت خواہانہ طرز فکر نہیں ملتا بلکہ وہ با
قدیم وجدید مغربی تصانیف کے اقتباسات اور تقابلی مطالعے کی مدد سے احکام قرآنی کی
جامعیت کو اس خوبی کے ساتھ نمایاں کرتے ہیں کہ مغربی تعلیم یافتہ افراد کے شکوک وش
زائل ہو جاتے ہیں۔ مولانا دریا آبادی کی تفسیر قرآن کی اس امتیازی صفت کی
نومسلم اہل قلم محترمہ مریم جمیلہ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جس میں انھوں نے ا
اسلام میں معاون عوامل کا ذکر کیا ہے:

"میرا ناپختہ ذہن قرآن مجید کو بائبل کی محض ایک مسخ شدہ شکل تصور کرتا تھا۔
میں نے مولانا دریا آبادی کی تفسیر کو سب سے بہتر پایا۔ بالخصوص اس کے وہ
حواشی جو مذاہب عالم کے تقابلی مطالعے سے متعلق ہیں۔ میں نے ان سے خاصا
استفادہ کیا" [1]

مولانا دریا بادی کو علوم جدیدہ اور عربی زبان کی لطافتوں اور نزاکتوں پر بیک وقت دسترس
حاصل تھی جس کی جابجا شہادت ان کے ترجمے اور تفسیری حواشی میں ملتی ہے۔ علوم جدیدہ بالخصوص
عمرانیات، اثریات اور تاریخ عالم ومذاہب سے مولانا دریا بادی کی براہ راست اور گہری
واقفیت کس حد تک مشکلات قرآنی کی تفہیم وتشریح میں معاون اور کارگر ثابت ہوئی اس
کا قدر اندازہ مندرجہ ذیل مثالوں سے ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ نکات بیشتر قابلِ احترام انگریزی
مترجمین کے ہاں نہیں ملتے:

(۱) قرآن مجید کل بنی نوع الانسانی کے لئے دائمی اور حتمی پیغام کا درجہ رکھتا ہے لیکن لبسا اوقات
قرآن کریم نے براہ راست بنی اسرائیل سے خطاب کیا ہے۔ یہاں تک کہ ایک جگہ
اقوام عالم پر ان کی افضلیت کو صاف لفظوں میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"اے بنی اسرائیل، میرا وہ انعام یاد کرو جو میں نے تم پر کیا اور
تمہیں دنیا جہان والوں پر فضیلت دی۔" (البقرہ: ۴۷)

اس ارشاد ربانی کو پڑھ کر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ فضیلت کسی معنی میں
ہے۔ مولانا دریابادی اس سلسلہ میں یہ نکتہ پیش کرتے ہیں کہ چونکہ ابتدار تاریخ
سے جب کہ دنیا کی بیشتر قومیں اس سے محروم تھیں بنی اسرائیل عقیدہ توحید کے علمبردار
رہے۔ اس لئے اسی امتیازی وصف کی بنا پر قرآن کریم نے انھیں اپنا خصوصی مخاطب
قرار دیا اور چونکہ یہ امتیاز انھیں آخری نبی کی بعثت تک حاصل رہا اس لئے علی الاطلاق
انھیں اقوام عالم پر افضل گردانا گیا۔

(۲) دیگر مسلم انگریزی مترجمین کے برخلاف مولانا دریابادی نے انگریزی ترجمے میں نصاریٰ
کے لئے Christians کے بجائے Nazarenes کی ترکیب کا التزام کیا ہے

[1] مریم جمیلہ: 'Why I Embraced Islam' مطبع کریسنٹ پبلشنگ کمپنی، علی گڑھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیوں کہ ان کے خیال میں قرآن کریم سینٹ پال کی مسیحیت کو سرے سے قابلِ اعتنا
نہیں گردانتا اور وہ صرف حضرت عیسیٰؑ کے اصل پیروؤں یعنی نصاریٰ کے وجود اور تش
کو تسلیم کرتا ہے۔

(III) سورۂ بقرہ: آیت ۶۰ میں حضرت موسیٰؑ کا معجزہ مذکور ہے کہ آپ کے عصا کی ضرب سے
چٹان سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ مولانا دریابادی نے بڑی دیدہ ریزی کے سا
کے اس بیان کے تاریخی واثری شواہد اپنے حواشی میں پیش کئے ہیں جس سے اس دا
کی تاریخیت میں کوئی اشتباہ باقی نہیں رہتا۔

(IV) سورہ بقرہ: آیت ۱۰۲ میں حضرت سلیمانؑ کے ضمن میں قرآن کریم کا بیان ہے "ا
سلیمان نے (تو کبھی) کفر نہیں کیا"۔ بظاہر یہ جملہ حشو وزوائد کے ذیل میں داخل
آتا ہے کیونکہ کسی پیغمبر کے ارتکاب کفر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس کی تردید کی ضر
ہو۔ اس آیت پر مولانا دریابادی کے تشریحی حاشیے سے قرآن حکیم کی بلاغت اور ا
کا ایک تابناک پہلو ابھر کر سامنے آتا ہے کہ اس بظاہر حشو وزائد جملے کا مقصود بائبل
درج اس بے بنیاد الزام کی تردید ہے کہ معاذ اللہ حضرت سلیمانؑ جادو ٹونے اور سحر وکہا
پر عقیدہ رکھتے تھے۔ (سلاطین دوم، آیات ۹-۴ اور ۱۰)

(V) ہاروت و ماروت کے بارے میں ارشاد ربانی ہے کہ وہ دونوں فرشتے تھے اور عوام
سحر کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ کسی فرشتے کا جادو سکھانا بظاہر قرینِ قیاس تو کیا عجیب
اور ناقابلِ یقین امر محسوس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے جو عبد اللہ یوسف علی نے ہاروت
ماروت کو سرے سے فرشتہ تسلیم کرنے ہی سے انکار کیا ہے لیکن مولانا دریاباد
نے تاریخی اسناد و شواہد کی بنیاد پر اس معمے کی عقدہ کشائی کرتے ہوئے واضح کیا
کہ چونکہ اس زمانے میں سحر وکہانت کا دور دورہ تھا اور عوام الناس ان سفلی سرگرمیو
میں بری طرح ملوث تھے اسی لئے مصلحت خداوندی کے تحت ان دونوں فرشتوں
ہاروت و ماروت کو سحر وکہانت کی بے حقیقتی کو عوام پر آشکارا کرنے کے
بھیجا گیا۔

(VI) سورہ بقرہ: آیت ۶۱ میں قرآن مجید بنی اسرائیل کو انبیاء کو ناحق قتل کرنے کے لئے ا
الزام قرار دیتا ہے۔ یہاں بھی ناحق کا اضافہ بظاہر غیر ضروری و بے معنی لگتا ہے مولانا د

نے اس قرآنی نکتے کی نہایت عمدگی کے ساتھ تشریح کی ہے کہ انبیاء کا قتل مطلق معنی میں ناحق ہونے کے علاوہ خود بنی اسرائیل کے قوانین اور ضوابط کی رو سے بھی سر تا سر غیر قانونی اور ناحق تھا۔ اسی لئے آیتِ قرآنی میں ناحق کا اضافہ ملتا ہے۔

(VII) سورہ بقرہ: آیات ۱۱۵ اور ۱۷۷ میں یہ مضمون ادا کیا گیا ہے کہ مشرق ومغرب دونوں ہی اللہ کے ہیں اور مشرق یا مغرب کی طرف منھ پھیرنا اطاعت نہیں ہے۔ مولانا دریابادی کی رائے میں ان آیات کا اصل مقصود محض اللہ کی ہمہ جا یئت یا تقویٰ کی اساس متعین کرنا نہیں بلکہ اس دور میں رائج ایک مقبول عام عقیدۂ شرک ــــ سمت پرستی پر کاری ضرب لگانا ہے۔

مولانا دریابادی کے ہاں مغربی مآخذ کے حوالوں و اقتباسات کے پہلو بہ پہلو کلاسیکی مسلم
…ین، لغت عربی کے ماہرین اور راسخ العقیدہ مسلم علماء و فضلاء کی آراء سے استنباط اور
…ستفادے کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں جس کے باعث مولانا دریابادی کی یہ تصنیف قدیم وجدید
…ور طرز ہائے فکر کے امتزاج کا ایک جامع، متوازن اور حسین مرقع بن جاتی ہے۔

دیگر مسلم مترجمین قرآن کے برعکس مولانا دریابادی نے قرآن کی ترجمانی کے بجائے
…ترجمے کا التزام اور اہتمام کیا ہے اس کے باوجود بھی ترجمہ بے روح، خالص لفظی اور گنجلک
…ہیں ہونے پاتا۔ تاج کمپنی ایڈیشن میں بلاشبہ کلاسیکی انگریزی الفاظ کا استعمال ملتا ہے لیکن
…تبصرہ ایڈیشن میں ان کی جگہ جدید سلیس الفاظ اور اسلوب کے باعث ترجمے کا حسن دوبالا
…گیا ہے۔

زیرِ نظر ایڈیشن کے سرورق پر مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی کے تعارفی
…مون کا جلی حروف میں ذکر ہے مگر یہ مضمون زبان اور مواد کسی اعتبار سے بھی وقیع نہیں
…دیا جا سکتا۔ یہی بات کم وبیش ان نئے ضمیموں پر صادق آتی ہے جو اس ایڈیشن میں
…دا اہلِ قلم نے تحریر کئے ہیں۔ اس ضمن میں استثناء صرف مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کے
…مقالے کو حاصل ہے جس کا موضوع بیع اور ربا ہے۔ یہ مقالہ بڑی حد تک تفہیم القرآن
…کے حواشی سے ماخوذ ہے اور یہ پہلی بار اس ترجمۂ قرآن میں شامل کیا گیا ہے۔ اس مقالے میں
…اور ربا کے درمیان فرق اور ربا کی قطعی حرمت پر استدلالی اور علمی انداز میں سیر حاصل بحث
…کی ہے۔ "اصحاب کہف" پر مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی کے مقالے میں تاریخی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسناد و شواہد کی روشنی میں اصحاب کہف کے غار میں مدتِ قیام کو متعین کیا گیا ہے
مضمون بلاشبہ ایک علمی مقالے کی شان رکھتا ہے ۔ البتہ موصوف کا دوسرا مقالہ "ذ
کا تعین" معیاری نہیں قرار دیا جاسکتا ۔ مولانا دریابادی نے اپنے تشریحی حاشیے میں یہ
پیش کی ہے کہ ذوالقرنین سے قرآن کریم کی مراد سکندر اعظم ہے ۔ مولانا ندوی اس خیال سے
نہیں بلکہ وہ اس ضمن میں مولانا ابوالکلام آزاد کی اس رائے کو ترجیح دیتے ہیں کہ ذوالقر
اصلاً ایرانی شہنشاہ سائرس ہے ۔ ان مباحث سے متعلق سید قطب شہید کا قول
نشیں رکھنے کی ضرورت ہے کہ قرآنی واقعات اور شخصیات کی تاریخیت سے متعلق بحث
کی بجائے ہمیں اپنی تمام تر توجہ قرآن کریم کے اصل مقصود یعنی عبرت و ہدایت پر
چاہیے ۔

ایک اور قرآنی شخصیت ہامان کے تاریخی احوال وکوائف پر شبیر محمد سید صاحب نے
تحریر کیا ہے جسے مولانا دریابادی کی تحقیق کی توسیع کہا جاسکتا ہے ۔ اس کے علاوہ یہ مفصل مضمون
موضوع پر مستشرقین کے بعض اعتراضات کے مسکت جواب کی بھی حیثیت رکھتا ہے ۔ البتہ زبان
اور طرز استدلال کے نقطۂ نظر سے یہ مقالہ خاصی اصلاح، ترمیم اور اضافہ کا طالب ہے ۔ محی الدین
کا مقالہ "کیا محمدؐ امی تھے؟" اپنے موضوع پر جامع بحث کے علاوہ قرآن کریم کے کتاب الٰہی ہونے کے
بھی اجاگر کرتا ہے ۔

زیر تبصرہ ایڈیشن میں قرآنی متن، انگریزی ترجمہ اور تفسیری حواشی کی ترتیب تاج کمپنی
سے بدرجہا بہتر ہونے کے باوجود بھی معیاری نہیں ہے ۔ اگر ترجمے سے متعلق توضیحی حواشی قوسین
اصل ترجمے سے ملحق ہی شامل کر دیئے جاتے تو ترجمہ مزید سلیس اور رواں ہو جاتا اور تفسیری حواشی
بھی مزید جگہ نکل آتی ۔ سورہ کے بجائے پاروں کی بنیاد پر تقسیم کا اصول بھی کچھ عجیب سا محسوس ہوتا
طرح ہر پارے میں حواشی کے علیحدہ نمبر شمار ڈالنے کے بجائے اگر تمام حواشی کے نمبر کو مسلسل کر دیا جاتا
دینے میں زحمت اور طوالت دور ہو جاتی (عبداللہ یوسف علی کے ترجمۂ قرآن میں حواشی کا نمبر شمار مسلسل
اس میں شک نہیں کہ اکیڈمی کے ذمہ داران نے طباعت میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے تاہم بعض
غلطیاں در آئی ہیں ۔ توقع ہے کہ طبع ثانی کے وقت اکیڈمی کے ذمہ داران ان معروضات کو ملحوظ خاطر
تاکہ تفسیر قرآن کے اہم موضوع پر اس گراں قدر تصنیف سے علمی دنیا کے لئے استفادہ زیادہ سے زیادہ
آسان ہو سکے ۔ —————— (ڈاکٹر عبدالرحیم ق

ادارہ علوم القرآن کے مقاصد

سلطان احمد اصلاحی

قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے، جسے سمجھنے، ماننے اور اس کے تقاضوں پر کماحقہ عمل
... ہی میں مسلمان امت کی دنیا و آخرت کی فلاح مضمر ہے ۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ مسلمان
... دور ادر کسی زمانہ میں اس احساس سے عاری نہیں رہے ہیں، جس کا اندازہ قرآنیات کے وسیع اور
... ذخیرے پر ایک نظر ڈال کر ہی کیا جاسکتا ہے ۔ لیکن کتاب اللہ کی اس حیثیت کا تقاضا
... ہیں ہر وقت اس کی طرف متوجہ رہیں اور مختلف انداز اور مختلف پہلوؤں سے اس سے
... تعلق کو ہمہ وقت تازہ اور استوار رکھا جائے ۔ ادارہ علوم القرآن اسی سلسلہ کی ایک ادنیٰ کوشش
... جس کا بوجھ کچھ ناتواں اور کمزور بندوں نے اپنے کندھوں پر اٹھانے کا عزم کیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ
... ہے کہ وہ راہ کی مشکلوں کو دور فرمائے اور منزل تک رسائی کی راہ ہموار کر دے ۔ ادارہ کے
... ہر طرح سے اپنی کم مائیگی اور تہی دامنی کا احساس ہے لیکن خداوند ذوالجلال کا فضل و
... گراں ہے ۔ وہ اپنے انتہائی ناتواں اور کمزور بندوں سے بھی بڑے سے بڑا کام لے سکتا ہے
... منزلوں تک رسائی کے لئے بھی ان کے لئے راہیں ہموار کر سکتا ہے ۔

ادارہ علوم القرآن نے دستور میں اپنا دائرہ کار حسب ذیل امور کو قرار دیا ہے:

(۱) اسلام کے دستور اساسی —— قرآن —— کو محور بنا کر انسانیت اور امت کو درپیش مسائل کا حل ۔

(۲) قرآن کی روشنی میں علوم دینیہ کی تجدید اور علوم جدیدہ کی تطہیر ۔

(۳) قرآن سے متعلق اصولی اور فنی موضوعات پر علمی اور تحقیقی کام ۔

... اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ علوم و افکار کی وسیع دنیا ہے جو ان دفعات کے اندر
... سمٹ آئی ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

● اگر یہ حقیقت ہے کہ اس قرآن کو نازل کرنے والی وہ ہستی ہے جو زمین و آسمان [illegible] اور اس پوری کائنات پر صرف اسی کی فرماں روائی اور حکمرانی ہے تو یہ چیز کتاب اللہ کی عظمت [illegible] حیثیت کو کس درجہ بڑھا دیتی ہے۔ صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ جو اس کائنات کا خا[illegible] اس پر حکومت اور فرماں روائی بھی اسی کی ہونی چاہئے۔ اور اس کی مرضی اور فیصلے کو د[illegible] تمام لوگوں کی مرضی اور فیصلے پر مقدم ہونا چاہیے۔ اللہ کی آخری کتاب زندگی کے تمام دائ[illegible] اس کی مرضیات اور فیصلوں کو کھول کر بیان کرتی ہے جس کی مزید تشریح و تفصیل کا حق ا[illegible] کے لانے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے ادا کیا ہے۔ اللہ کی کتاب [illegible] ساتھ اس کے رسولؐ کی یہی سنت ہے جسے مضبوط پکڑ کر آدمی دنیا و آخرت کی سعاد[illegible] ہمکنار ہوتا اور اپنے کو گمراہی و بے راہ روی کے ہر طرح کے امکانات سے پوری طرح بچا لیتا [illegible] جیسا کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اور صریح لفظوں میں اس کی تاکید [illegible] ہے۔

لیکن یہ عجیب سانحہ ہے کہ آج دنیا کے انسانوں کی عظیم اکثریت اپنے کو قرآن ک[illegible] نسخۂ شفاء سے محروم کئے ہوئے ہے۔ چنانچہ وہ کتاب اللہ سے منھ موڑ کر محض [illegible] اور تجربہ کی روشنی میں اپنی زندگی کے مسائل کو حل کرنا چاہتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ [illegible] دانش کا علمبردار آج کا انسان اس بے عقلی کا شکار کیوں ہے کہ کائنات کی تخلیق میں [illegible] مختلف ارادوں کی کارفرمائی نظر نہیں آتی لیکن دنیا کے اندر رنگ برنگے قانون اور فلسفوں [illegible] ذریعہ وہ راہ نجات کا طالب اور اپنے ... کو فوز و فلاح سے ہمکنار کرنے کا خواب دیکھ[illegible] لیکن انسان نے تجربے اور عقل کے گھوڑے بہت دوڑا لئے۔ اور نظری گفتگو سے آگے [illegible] ان کاوشوں کا علمی انجام اب اس کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ زندگی کے تمام دائروں [illegible] و پریشانی اس کا مقدر بنی ہوئی ہے اور مادی زندگی کی تمام سہولتوں اور آسائشوں کے با[illegible] اس کی زندگی حقیقی سکون و اطمینان سے محروم ہے۔ کائنات کا تکوینی نظام اپنی بے مثال [illegible] کے ذریعہ اس کے اندر صرف ایک خدا کی فرماں روائی اور بالادستی کا اعلان کر رہا ہے۔ جب [illegible] دنیا کے تشریعی نظام میں اس وحدت و ہم آہنگی کی نمود نہیں ہوتی۔ انسان لاکھ جتن کرے [illegible] سکون و اطمینان سے ہمکنار نہیں کر سکتا۔ جس کی بس ایک ہی صورت ہے کہ وہ [illegible] تمام معاملات زندگی میں کتاب اللہ کو حکم بنا لے اور اپنے جملہ قوانین اور فلسفوں [illegible]

[illegible] تابع کرکے، فکر و نظر کی صراط مستقیم پر گامزن ہو جائے۔

جس طرح اغیار کے لئے نجات کی یہی ایک صورت ہے مسلمان امت کی دنیا و آخرت کی [illegible] اسی راستے کو اپنانے میں ہے۔ قرآن سے زندہ اور شعوری تعلق پیدا کئے بغیر وہ اپنے کو ان [illegible] سے ہمکنار نہیں کر سکتی۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس [illegible] کا رشتہ اس کتاب سے کبھی نہیں ٹوٹا، اور وہ بڑی حد تک اس پر غور و فکر اور اس کے [illegible] پر عمل پیرا رہی۔ لیکن اس کے باوجود کہا جا سکتا ہے کہ خاص طور پر ادھر کئی صدیوں [illegible] قرآن سے اس کے مطلوبہ تعلق میں بڑی کمی رہی ہے۔ بڑی حد تک اس کی فکر و نظر کا محور [illegible] سنت سے مستنبط علوم رہے ہے۔ اور آج بھی وہ بڑے اطمینان سے، قرآن سے صرف برکت اور [illegible] حاصل کرتے ہوئے، انھیں ثانوی علوم و افکار کی دنیا میں مگن ہیں۔ اس طور پر کہ نہ اسے کسی قسم [illegible] چینی ہے، نہ کمی کا کوئی احساس ستاتا ہے۔ امت کی عظیم اکثریت کی عمریں انھیں کو پڑھنے [illegible] نے اور ان میں نکتہ آفرینیاں پیدا کرتے میں بسر ہو رہی ہیں اور اس کا خیال شاید بھولے ہی سے [illegible] ہو کہ ان علوم و افکار کے سلسلے میں اپنے کھینچے ہوئے حصاروں سے اوپر اٹھ کر براہ راست [illegible] اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کریں۔ نتیجہ یہ ہے کہ دن بدن یہ حصار تنگ [illegible] ہوتے اور اوپری طور پر اتحاد و اتفاق کی ہزار کوششوں کے باوجود امت کا شیرازہ منتشر اور [illegible] اختلاف بڑھتا ہی جاتا ہے۔ معاملہ پھر بھی غنیمت ہوتا اگر امت کی علمی اور فکری کاوشیں مستنبط [illegible] علوم کے دائرے تک محدود ہوتیں، لیکن بات اس سے بہت نیچے اترے بغیر نہ رہی۔ ہندوستان [illegible] دارس اسلامیہ کے قیام کا مقصد، خالص علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت کا تھا۔ لیکن ان کے [illegible] ان علوم کی اصل و اساس ــــ قرآن ــــ کے ساتھ غفلت و بے اعتنائی کا جو حال ہے وہ ہر ایک [illegible] سامنے ہے۔ بڑے بڑے مدارس کے نصاب کی جدولیں آج بھی منطق و فلسفہ کی انہی اذکار رفتہ [illegible] وں سے اٹی پڑی ہیں، جن کا آج کی علمی دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ان کی حیثیت [illegible] وہ ہماری قدیم تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔ اس سے ہٹ کر مستنبط دینی علوم کے پڑھنے پڑھانے [illegible] سلسلہ ہے وہ بھی قرآن و سنت کو محور بنا کر خالص اور بے آمیز نہیں۔ بلکہ مسلکی عصبیتوں کی دبیز [illegible] ان کے اوپر پڑی ہوئی ہے۔ امت کی ساری دینی غیرت و حمیت اپنے اپنے مسالک و مذاہب [illegible] ہو کر رہ گئی ہے۔ اسلام کا کیا ہو رہا ہے اور اس کے دستور اساسی ــــ قرآن ــــ کے ساتھ [illegible] اور غیروں کا کیا معاملہ ہے، اس کی طرف اس کی توجہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ جب تک یہ صورت حال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں بدلتی، امت کے دن نہیں بدل سکتے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ امت اپنی اجتماعی کیفیت [illegible] گروہی اور مسلکی عصبیتوں سے اوپر اٹھ کر غور کرے اور ایک بار پھر اپنا فکری قبلہ درست کرنے کی کوشش کرے جس کی بس ایک ہی صورت ہے کہ دینِ حنیف کے اولین مرجع و اساس — قرآن — [illegible] اپنی پوری زندگی کا دستور العمل بنالے۔ اور انفرادی و اجتماعی جملہ معاملات میں قرآن و سنت کی [illegible] تسلیم کرلے۔ جس کے لئے ہم صدقِ دل سے بارگاہِ خداوندی میں دست بدعا ہیں۔

● قرآن کی روشنی میں علوم دینیہ کی تجدید اور علوم جدیدہ کی تطہیر — ادارۂ علوم القرآن [illegible] دائرہ کار کا یہ دوسرا اہم نکتہ ہے۔ قرآن ہمارے تمام فکر و عمل کی اصل و اساس ہے جس کی [illegible] تبیین کا حق حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے ادا کیا ہے، یہ وہ بات ہے جس [illegible] پوری امت کا اتفاق ہے اور قیامت تک کے لئے ان کی حیثیت اسی طرح ثابت اور مسلم [illegible] لیکن ان کے بحرِ معانی میں غوطہ زنی ہر شخص کے بس کی بات نہ تھی، نہ یہ ممکن تھا کہ ہر شخص براہِ راست ان سے استفادہ کرکے اپنے لئے فکر و عمل کی راہیں تجویز کرسکے۔ اس کے علاوہ زمانہ کے حالات و ضروریات کا بھی تقاضا تھا کہ قیاس و اجتہاد کے ذریعہ قرآن و سنت کے منصوصات کے [illegible] کو مزید وسعت دی جائے جس کے نتیجے میں علم الفقہ کی تدوین عمل میں آئی۔ عرب کے سادہ ماحول سے نکل کر اسلام کا واسطہ جب عجمی علوم و افکار سے ہوا تو عقائد و کلام کی بحثیں [illegible] جس کی خاطر باقاعدہ ایک نئے علم، کلام کی ایجاد ہوئی۔ بعد کے ادوار میں مسلمان امت کے [illegible] ربط و تعلق اور اخلاق و اعمال میں روز افزوں انحطاط کو دیکھتے ہوئے کچھ لوگوں نے خاص [illegible] اس پہلو سے امت کی اصلاح اور تجدید کا بیڑا اٹھایا۔ جس کے لئے "تصوف و احسان" کا علم [illegible] آیا۔ پھر ان علوم کے سلسلے میں بھی بہت سے ذیلی علوم و مباحث کا اضافہ ہوا اور ان کے [illegible] بدن نت نئی تحقیقات و تدقیقات کا اضافہ ہوتا رہا جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور [illegible] قیامت تک جاری رہے گا۔ یہ علمی ورثہ امت کا وہ سب سے قیمتی سرمایہ ہے، جس کے بغیر [illegible] زندگی بے رنگ بلکہ صحیح تر لفظوں میں اس کا معنوی وجود معرضِ خطر میں ہوجاتا ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ثابت اور مسلم ہے کہ ان تمام علوم کی اصل و اساس "قرآن و سنت" ہیں، ان کے مقابلہ میں ان کی حیثیت فروعات ہی کی ہے [illegible] یا کلام یا تصوف و احسان ہر ایک کی تدوین قرآن و سنت کے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لئے [illegible] اور یہ تمام سیارے اسی نظامِ شمسی کے گرد گھومتے اور اس سے کسبِ فیض کرتے [illegible]

[illegible] کے شہ سواروں نے اس کی صراحت کی ہے جس کا صاف مطلب ہے کہ ان علوم سے [illegible] استفادہ کے لئے ضروری ہے کہ انھیں پڑھنے پڑھانے اور ان میں مہارت و بصیرت پیدا [illegible] کے ساتھ، قرآن و سنت سے براہ راست، زندہ اور شعوری تعلق استوار رہے۔ ورنہ [illegible] حقیقت ہے کہ شاخیں جڑ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتیں، نظامِ شمسی سے کٹ جانے پر سیارچوں [illegible] ہوجانا یقینی ہے۔ تو قرآن و سنت سے مستنبط علوم و معارف کی صحیح فیض بخشی اسی وقت [illegible] ہے جب تک کہ ان کا تعلق اس محور و مرکز اور اصل و اساس سے استوار رہے۔ عمل صحیح کیلئے [illegible] صحیح ضروری ہے، کسی قوم پر فکری زوال پہلے آتا ہے، عملاً نکبت و ادبار کا شکار وہ اس کے بعد [illegible] ہے تو بعد کی صدیوں میں اس امت پر جو زوال و انحطاط آیا اور جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے، اس [illegible] میں اس کے سرے کو بھی آسانی کے ساتھ پکڑا جاسکتا ہے۔ قرآن و سنت سے براہِ راست [illegible] کی ہے امت نے جب اپنی فکری تازگی کھودی، اسی کے ساتھ زندگی کے دوسرے تمام میدانوں [illegible] اس کا زوال شروع ہوگیا۔ اصل منبع سے کٹ کر جب اس نے مستنبط علوم کو اپنا مرکز [illegible] بنالیا تو اس کی بنیاد پر دھڑے بندیاں اور مسلکی عصبیتیں وجود میں آگئیں جنھوں نے اس کے [illegible] کو پارہ پارہ کردیا۔ اور آج صورت ہے کہ خدا اور خلق کے نام پر کوئی اپیل اسے اس دلدل [illegible] نکالنے میں کامیاب نہیں ہورہی ہے۔ اب اگر اس صورتِ حال کو بدلنا ہے تو ان علوم سے [illegible] استفادہ کرتے ہوئے قرآن کو اصل و اساس بناکر ان کی تدوین نو ضروری ہے۔ تاکہ [illegible] احتساب کی نظر ڈال کر جہاں کہیں کمیاں نظر آئیں انھیں دور کیا جاسکے اور اصل یا در ہا وس [illegible] قرآن کے اندر نئی روح اور نئی زندگی عطا کی جاسکے۔ بدلے ہوئے حالات کے نئے انداز [illegible] تکنیک کے پہلو سے بھی اس کی ضرورت ہے۔ علوم کی نوع بہ نوع اور ان کی تہذیب و [illegible] ذوق آج پیدا ہوگیا ہے، پہلے اس کا چلن نہ تھا اس لئے ہماری پرانی انتہائی کارآمد [illegible] بھی اگر انھیں اسی ڈھنگ اور قدیم انداز میں آج بھی پیش کردیا جائے تو بڑی حد تک ان [illegible] افادیت پر پردہ پڑا رہے گا اس لئے قرآن کی روشنی میں علوم دینیہ کی تجدید میں ان دونوں [illegible] کو ملحوظ نظر رکھنا پڑے گا۔

اس دفعہ کا دوسرا جز قرآن کی روشنی میں علوم جدیدہ کی تطہیر ہے جس کا دائرہ کار اور بھی وسیع [illegible] بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ موجودہ دور کو بجا طور پر علم کے دھماکے KNOWLEDGE [illegible] کا دور کہا جاتا ہے۔ علوم کے بے شمار شعبے اور اس کی شاخیں در شاخیں

© rasailojaraid.com